© rasailojaraid.com

غلام مصطفیٰ قاسمی

شذرات

دنیا کی تاریخ اس بات کا واضح ثبوت دیتی ہے کہ کبھی زمین کا کوئی خطہ اتنا مردم خیز ہوتا ہے کہ وہاں پر حکمت کی سب اصناف پر بحث اور تحقیق کرنے والے پیدا ہوتے ہیں اور یہ خطہ انسانیت کے لئے مرکز بن جاتا ہے۔ قدیم دور میں بابل اور سوریا (شام) انسانیت کے مراکز تھے۔ سوریا (شام) میں انسانیت کے ماہر زیادہ پیدا ہوئے اور بابل میں طبعیات کے ماہر زیادہ پیدا ہوئے۔ طبقات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام ان حکماء کے معلم اور استاد رہے ہیں۔ ان حکیموں میں سے جو نبوت کے بہترین شارح ہیں ان کو صدیقین پکارا جاتا ہے۔ صدیق ان مسائل کو جن کو انبیاء علیہم السلام نے پیش کیا اپنے عقل سے صحیح مانتے تھے۔ اس وجہ سے انہوں نے انبیاء کو جلدی تسلیم کرلیا۔ اور ان کی تصدیق کی۔ الٰہی حکیم اس چیز کو کبھی بھی مان نہیں سکتا جس کو نبی نے رد کیا ہو۔

انبیاء کے ارد گرد ایسے حکیموں یعنی صدیقین کی جماعت جمع ہوتی ہے جن کی طاقت سے انبیاء علیہم السلام کی حکمت انسانوں میں پھیلتی ہے۔ اس تعلیم میں الٰہی حکمت کی ہمیشہ مرکزی حیثیت ہوتی ہے اور باقی باتیں اجتماعی حکمت کہلاتی ہیں یعنی گاؤں شہر یا انسانی سماج اور دوسرے مسائل جن کو شاہ ولی اللہ کی اصطلاح میں ارتفاقات کا نام دیا گیا ہے یہ سب نبوت کی تعلیم میں دوسرے درجے کی چیزیں ہیں۔ لیکن حکماء کے پاس سوشل اجتماعیات پہلے درجے کی چیزیں ہیں۔ صدیقوں کے اس علم کا نام الحکمۃ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکماء کی حکمت کے بعد میں انسانیت کے نظام قائم کرنے کے لئے حکمرانوں کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ انسانیت کے سب طبقے حکمت کو خود بخود سمجھ نہیں سکتے اس وجہ سے انسانیت کا ایک طبقہ جو ارتفاقات میں زیادہ مشغول ہوتا ہے اور وہ طبقہ اپنے اچھے اور قابل استاد پر بھروسہ کر کے حکمت کو تسلیم کرلیتا ہے۔ ان کو جو استاد حکم دیتا ہے وہ اس کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے سردار کا نام شہید ہے اور یہ نبی کے گرد دوسری صف میں شامل ہوتے ہیں۔ یہ خود حکمت کو سمجھتے ہیں اور اپنے حکم کی صورت میں عوام تک پہنچاتے ہیں۔ اس اصطلاحی حکم یا فرمان کا نام الکتاب ہے یعنی لکھی ہوئی چیز۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے جن لوگوں کا انبیاء سے تعلق تھا وہ سب حکمت کو تسلیم کرنے والے تھے۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رح فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے حکمت کو تسلیم کرنے والی جماعتیں آریہ قوم سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس حکمت میں آگے چل کر غلطیاں پیدا ہوئیں۔ اس طرح حکمت جیسے پھیلتی ہے اس کے اصلی اجزاء نیچے اترتے ہیں تو اصل سے دور ہوجاتے ہیں اور پھر صحیح بات کتابوں سے نہیں ملتی۔ اس وجہ سے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے تو انہوں نے ان سب طریقوں کو رد کیا اور انسان کی اندر کی امانت کو خدا کی معرفت اور پہچان کا ذریعہ بنایا۔ انبیاء علیہم السلام کی پاس یہی طریقہ تھا مگر حکمت کی شاخیں پھیلتے پھیلتے کہاں تک جا پہنچیں حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سب کو ختم کیا۔ آگے چل کر نبی آخرالزمان کے دور کے بارے میں بتایا گیا کہ رسول کی حکمت اور کتاب کو جامع بنایا گیا ہے۔ یہ دور چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہوا مگر اس کا عروج آنحضرت ﷺ پر ختم ہوا اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وجہ سے آپ ساری دنیا کے امام اور رہبر ہیں۔

وحدۃ الوجود کا حضرت شاہ ولی اللہ کے فلسفے کی روشنی میں اگر تجزیہ کیا جائے تو دوسرے لفظوں میں یہ حکمت کا نام ہے۔ اس میں انسانی عقل کا تعلق تجلی اعظم سے قائم کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تھیوری اور نظریہ وہی رہے گا کہ وجود ایک ہے اور ساری چیزیں اس میں سے نکلی ہیں اور اسی کی طرف واپس جاتی ہیں اُس وجود کا نام اللہ ہے۔ اس وجود کا سمجھنا تجلی کے ذریعے ہوسکتا ہے۔ ورنہ ناممکن ہے کیونکہ انسانی دماغ وجود اللہ کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ جن لوگوں نے تجلی کو چھوڑ کر خدا کو سمجھنے کی کوشش کی وہ بہت سے شکوک اور شبہات میں پھنس گئے۔

ابراہیمی طریقہ کی حکمت میں تجلی اعظم کی معرفت اور پہچان کا مسئلہ شروع میں الف۔ بے کے درجے میں رکھا گیا ہے اور اس حکمت میں تجلی اعظم اور انسانی حجر بحث کی ایک دوسرے سے ملنے کی جگہ حظیرۃ القدس ہے، جہاں پر مقدس ملائک اور روح رہتے ہیں، اس پر سیدھے تجلی اعظم کی شعاع اور انوار پڑتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ اس حکمت کا کمال ہے کہ انسان حظیرۃ القدس کا رکن بن جائے۔

یوحنا انجیل کے باب 16 کی ایک بڑی آیت ہے جس کا ایک جملہ اس طرح سے ہے کہ "تو مجھ میں ہو اور میں تجھ میں ہوں" یہ مسیح علیہ السلام کا خطاب ہے۔ یہ مقام اور جملہ حجر بحث اور تجلی اعظم کے تصور سے ہی حل ہوسکتا ہے۔ کبھی کبھار تجلی اعظم کسی شخص کی حجر بحث پر غالب ہوتی ہے تو اس کو تجلی میں فنا حاصل ہوتی ہے۔ اس وقت کہا جاتا ہے کہ مجھ میں خدا ہے۔ اور جب انسان ترقی کرکے تجلی اعظم تک پہنچ جاتا ہے اور اس کو بقا مل جاتی ہے تو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ خدا میں ہے۔ معرفت الٰہی میں حضرت عیسیٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علیہ السلام کو جو فطری طور پر ترقی کا راستہ حاصل تھا انہوں نے اپنے حواریوں کو اور جو ان کے حواریوں کی تبلیغ کی وجہ سے ان کی تعلیم کو مانتے تھے ان سب کو اس مقام پر لانا چاہتے تھے۔ یہ وہ حکمت ہے جس کا نام انجیل رکھا گیا۔ یہ اس حکمت کی روح ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے رائج تھی۔

حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رح نے فرمایا کہ ہم شاہ ولی اللہ دہلوی کی حکمت کو اس لئے پڑھانا ضروری سمجھتے ہیں، چونکہ اس میں "الکتاب" اور "الحکمت" دونوں ساتھ موجود ہیں۔ یہ وحی الٰہی حکمت وحدت الوجود کے فلسفے پر کھڑی ہے۔ جس کو سب آریہ قومیں حکمت کا بنیاد مانتی ہیں۔ اگر ہم اس بنیاد سے شروع کریں گے تو ہم ان قوموں کو اپنے ساتھ ملا سکتے ہیں اور ان کو تجلی کی دعوت دے کر حظیرۃ القدس سے تعلق پیدا کرنے کے بعد الکتاب (قرآن) کا علم بھی دے سکتے ہیں۔

مختصر الفاظ میں ہم یہ کہتے ہیں کہ وحدت الوجود کے فلسفے کو اس شکل میں لانے کے بعد تجلی اعظم اور حظیرۃ القدس کے مرکز کو سمجھ سکتے ہیں اور اپنے حجر بحث کے ذریعے حظیرۃ القدس تک پہنچنے کو ممکن سمجھنا چاہیئے۔ یہ وہ حکمت ہے جس کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ڈالی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ابراہیمی طریقہ کے چند اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کو ساتھ ملانے سے جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آجاتے ہیں ہمارا پروگرام انسانیت کے لئے مکمل ہوجاتا ہے اور ہم کسی بیرونی حکیم یا فلاسفر کے محتاج نہیں رہتے۔

دنیا کے سب فیلسوف اور سائنسدان اس نقطے پر متفق ہیں کہ وجود ایک ہے۔ اگر ہم اس کو لفظ اللہ کا مصداق قرار دیں تو خدا کا ماننا ہر انسان کے لئے ضروری ہوجائے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سائنس کے اس ترقی والے دور میں اس وجود کے سوا کسی اور طرح سے خدا کا منوانا مشکل ہوگیا ہے۔ تب اس کا صحیح علاج حضرت شاہ ولی اللہ رح کی حکمت ہے۔ اس سائنس کو انسانی دماغ کے موافق فلسفے کی شکل میں لایا جائے تو ہمیں وجود کی ایک تجلی ماننی پڑے گی اور اس تجلی کے ساتھ انسان کا تعلق ثابت کرنا ضروری ہوگا۔ اس طرح سے سب انبیاء علیہم السلام کی حکمت مدلل ہوجائے گی۔

سائنس اس بات کا انکار نہیں کرسکتی کہ سورج کا وجود زمین سے کئی لاکھ گنا بڑا ہے۔ اس کو عام انسانی دماغ کی طاقت احاطہ نہیں کرسکتی۔ اگر انسانی دماغ کا سورج کے ساتھ تعلق جوڑدیا جائے تو زمین کی سب چیزیں نہ ہونے کے برابر ہوجاتی ہیں ۔ کیونکہ زمین پر جو بھی ارضی حادثات ہوتے ہیں ان کا تعلق سورج کی گرمی سے ہے۔ اگر انسان سورج کا اندھوں کی طرح ادراک کرے تو کیا وہ حکمت کی تدوین کرسکتا ہے۔ سورج تو اپنی اصلی حالت پر موجود ہے مگر اللہ نے انسان کے دماغ کی بناوٹ کچھ اس طرح بنائی ہے کہ وہ سورج کو ایک چھوٹی شکل میں دیکھ سکتا ہے اس کو یقین ہے کہ وہ سورج ہے اور اس کو یہ بھی یقین ہے کہ اس کو اصلی سورج سے کوئی نسبت نہیں ہے وہ بہت بڑا ہے۔

© rasailojaraid.com